دبستان لکھنؤ کے میرؔ۔عبدالعلیم آسیؔ غازی پوری

ڈاکٹر وصی احمد شمشاد
گیسٹ فیکلٹی
شعبۂ اُردو، ال ان متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ
موبائل:9934639512
Email: wasi.shamshad10@gmail.com

ملخص

اُردو میں تحقیق وتنقید کے راستے تنگ ہوتے جارہے ہیں، ظاہر ہے محقق اپنے نظریات کی روشنی میں ادب کو پرکھنے کی کوشش کرتا ہے، جو ادب کے لئے بہت ہی مضر ہے۔ جب کہ ادب اپنے آپ میں سمندر ہے، جس کی پیاس کبھی نہیں بجھا کرتی، یہ اُردو زبان وادب کی کم نصیبی ہی کہا جائے کہ تاریخ کی نئی نئی کتابیں روز منظر عام پر آرہی ہیں مگر تمام اُردو ادیبوں کا احاطہ کرنا تو دور، جنہوں نے اردو زبان وادب میں اپنی گراں قدر تخلیقات چھوڑ رکھے ہیں انہیں جگہ نہیں ملتی۔ وجہ کیا ہے؟ شاید مؤرخ ومحقق اپنے کام سے جی چڑاتے نظر آرہے ہیں۔ تاریخ لکھنے کے لئے جس تگ ودو کی ضرورت ہوتی ہے وہ اب کے مؤرخوں میں عنقا ہے، یا یوں کہیں اُردو زبان وادب کے مؤرخوں میں عنقا ہے۔ آسیؔ جیسا شاعر جو دبستان لکھنؤ کا میرؔ ہو، اسے کسی مؤرخ نے جگہ تک نہیں دی اور جس نے اپنی نامکمل کتاب میں جگہ بھی دی تو صرف ایک دوسطر میں ذکر کرنا ہی مناسب سمجھا، یہی وجہ ہے کہ آسیؔ جیسے نایاب شاعر کو گمنام کردیا گیا۔

دبستان لکھنؤ کے میرؔ۔عبدالعلیم آسیؔ غازی پوری

شیخ محمد عبدالعلیم آسیؔ اُردو شاعری کا ایک نایاب نام ہے، یہ سچ ہے کہ موصوف کو اتنی شہرت شاعری کے میدان میں نہ ملی جتنی دیگر شعراء کو بہ آسانی مل جایا کرتی ہیں وجہ صاف ہے ایک جگہ مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

> ''آسیؔ کا مرتبہ شاعر سے بہت بلند تھا اور شاعری ان کے لئے باعث فخر نہ تھی۔وہ خانقاہ رشیدیہ کے سجادہ نشیں تھے اور ایک صاحب باطن مرشد اور یہی ان کی اصل بزرگی اور برگزیدگی ہے جس کے سامنے ان کی ساری شاعری شرما کر منہ چھپالیتی ہے۔''(عین المعارف،ص۔7)

عبدالعلیم آسیؔ غازی پوری کا تاریخی نام ظہورالحق ہے۔آپ کی تاریخ پیدائش 19 شعبان المعظم 1250ھ ہے۔آپ کے والد ماجد قطب العارفین حضرت شیخ قنبر حسین قدس سرہٗ نسباً سلسلۂ جدّی انصاری تھے۔آپ کا پورا نام محمد عبدالعلیم ہے۔آپ پہلے عاصیؔ تخلص کیا کرتے تھے بعد کو آسیؔ ہوگئے۔آپ کی تاریخ وفات 1335ھ مطابق 2 فروری 1917ء ہے۔

اُردو میں تحقیق وتنقید کے راستے تنگ ہوتے جارہے ہیں، ظاہر ہے محقق اپنے نظریات کی روشنی میں ادب کو پرکھنے کی کوشش کرتا ہے، جو ادب کے لئے بہت ہی مضر ہے۔جب کہ ادب اپنے آپ میں سمندر ہے، جس کی پیاس کبھی نہیں بجھا کرتی، یہ اُردو زبان وادب کی کم نصیبی ہی کہا جائے کہ تاریخ کی نئی نئی کتابیں روز منظر عام پر آرہی ہیں مگر تمام اُردو ادیبوں کا احاطہ کرنا تو دور، جنہوں نے اردو زبان وادب میں اپنی گراں قدر تخلیقات چھوڑ رکھے ہیں انہیں جگہ نہیں ملتی۔وجہ کیا ہے؟ شاید مؤرخ ومحقق اپنے کام سے جی چڑاتے نظر آرہے ہیں۔تاریخ لکھنے کے لئے جس تگ ودو کی ضرورت ہوتی ہے وہ اب کے مؤرخوں میں عنقا ہے، یا یوں کہیں اُردو زبان وادب کے مؤرخوں میں عنقا ہے۔آسیؔ جیسا شاعر جو دبستان لکھنؤ کا میرؔ ہو، اسے کسی مؤرخ نے جگہ تک نہیں دی اور جس نے اپنی نامکمل کتاب میں جگہ بھی دی تو صرف ایک

دوسطر میں ذکر کرنا ہی مناسب سمجھا، یہی وجہ ہے کہ آسی جیسے نایاب شاعر کو گمنام کر دیا گیا، خیر فرق کیا پڑتا ہے!

کوئی شاعری کسی مورخ کے ذکر کرنے یا نہ کرنے سے زندہ نہیں رہتی بلکہ شاعری میں اگر زندگی ہے تو وہ خود اپنے زندہ ہونے کا لوہا سبھوں سے منوالیتی ہے۔ آسی کی شاعری پر کچھ لکھنے سے قبل ضروری معلوم پڑتا ہے کہ کچھ بزرگوں کی رائے نقل کردی جائے جنہوں نے آسی کی شاعری کو پڑھا سمجھا اور اپنے تاثرات قلم بند کئے۔

بقول مجنوں گورکھپوری:

''مشرق کے صوفی شاعروں میں صرف دو ہستیاں ایسی نظر آتی ہیں جنہوں نے مجاز کی حقیقت کو اور قدوسیت کو کما حقہ، تسلیم کیا ہے اور جن کے ملک کو ''مجازیت'' کہا جاتا ہے۔ ایک تو حافظ دوسرے آسی۔'' (عین المعارف، ص۔1)

''......آسی کی شاعری کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ ان کے چند مخصوص اور متعین تصورات و اعتقاد ہیں جن میں آسی کو اس قدر غلو و انہاک ہے جس قدر کسی کٹر سے کٹر مذہبی شخص کو اپنے مذہب میں ہوسکتا ہے......آسی قیامت کا ذکر محض شاعری کی رسم ادا کرنے کے لئے نہیں کرتے۔ ان کے ذہن میں قیامت کا ایک خاص تصور ہے اور وہ ان کی بابت ایک اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہی آسی کی ساری شاعری ہے۔'' (عین المعارف، ص۔17)

''اگر محض فنی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو بھی آسی کو ایک قادرالکلام شاعر ماننا پڑے گا۔'' (عین المعارف، ص۔1)

بقول عارف ہسوی:

''آسی کے کلام میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو مذاق سلیم کسی غزل میں تلاش کرتا ہے۔ انداز بیاں کی متانت و پختگی مضامین کا غلو، خیالات کی بلندی، جذبات کی پاکیزگی و لطافت ان کے کلام کے مخصوص عناصر ہیں............آسی کا کلام تصوف کی چاشنی سے معمور ہے۔'' (عین المعارف، ص۔33)

بقول فراق گورکھپوری:

''ہم دونوں (فراق اور مجنوں) نے پچاس رباعیاں کہہ ڈالیں اور دونوں نے ایک دوسرے کو خط لکھا کہ آسی کی رباعیوں سے متاثر ہوکر یہ رباعیاں کہی گئی ہیں ہم دونوں اب تک اس حسن اتفاق پر حیرت کرتے ہیں۔'' (عین المعارف، ص۔34)

مذکورہ بزرگوں کی باتوں کا ہم اعتراف کرتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ آسی اردو شاعری کے قوس وقزح ہیں۔آسی پہلے عاصی تخلص کیا کرتے تھے۔آپ شاعری میں افضل الہ آبادی کے شاگرد ہیں جو ناسخ کے شاگرد ہیں۔آسی کو بہت جلد ہی استاد نے یہ کہہ دیا کہ آپ کی شاعری میں اب اصلاح کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی از راہ محبت آپ انہیں اپنا کلام دکھلاتے رہے۔آسی کے کلام میں سنجیدگی، متانت اور سوز وگداز قدم قدم پر ہمارا استقبال کرتی ہیں، ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آسی وقت گزاری کے لئے نہیں بلکہ دل سے اشعار کہا کرتے تھے۔مثال کے طور پر ان کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

تیرے دیوانے کو بے حال ہی رہنا اچھا
حال دینا ہو اگر رحم کے قابل دینا

ہمت اس کی ہے، دل اس کا ہے، جگر اس کا ہے
جان کو بیچ کے تیرا جو خریدار ہوا

کبھی جی بھر کے وطن میں نہ رہے ہم آسی
روز میلاد سے تقریر میں غربت آئی

حشر میں منہ پھیر کر کہنا کسی کا ہائے ہائے
آسی گستاخ کا ہر جرم نا بخشیدہ ہے

جز ہم زباں نہ کوئی ملا قدر داں مجھے
آنکھیں کسی کی کہتی ہیں جادو بیاں مجھے

حق پوچھئے تو بات تھی انصاف کی یہی
نام عدو لیا تو کہا بد زباں مجھے

لغزش ہوئی جب حضرت آدم سے نبی کو
آسؔی کو بڑا کیوں کہو وہ بھی تو بشر ہے

یا نبی دل ہے تیرے عشق میں جلنے کے لئے
جاں بے تاب ہے فرقت میں نکلنے کے لئے

ہماری حسن پرستی محل طعن نہیں
کہ چشم قیس سے دیکھا ہے روئے لیلا کو

مذکورہ اشعار کوغور سے پڑھئے بار بار پڑھئے تو دیکھئے گا تمام اشعار ایک الگ دنیا کی خبر ہمیں دیتے ہیں۔مشہور نقاد ہیزلٹ نے کیا ہی سچ کہا ہے کہ شاعری تخئیل اور جذبات کی زبان ہوتی ہے،اور بقول آرنلڈ بہترین شاعری میں ایک اعجاز ہے جس سے ہماری دنیا بنتی ہے جو ہمارا سہارا بھی ہے اور ہماری انبساط کا سبب بھی،آسؔی کی شاعری کو اُردو زبان کی بہترین شاعری میں شمار کیا جاتا چاہئے۔آسؔی کی شاعری ہمیں ماضی سے جگا کر حال کے راستے مستقبل کی منزل تک پہنچا دیتی ہے اور ہماری نظر میں آسؔی کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے۔آسؔی کسی خاص مکتبہ فکر کے شاعر نہ ہو گر دنیا کے تمام بکھرے افکار کو اپنی شاعری میں سمونے کی کامیاب کوششیں کی ہیں یہی وجہ ہے کہ آسی کو دبستان لکھنؤ کا میرؔ کہا جاتا ہے۔آسؔی کو بھی اپنے مقام اپنی بلند پایہ شاعری کا بخوبی اندازہ تھا۔وہ اپنے چاہنے والوں کو ایک سبق دیتے ہیں:

شعرگوئی نہ سمجھنا کہ میرا کام ہے یہ
قالب شعر میں آسی فقط الہام ہے یہ

اس قدر درد سے لبریز جو تقریر نہ ہو
سخن آسی شیدا غزل میر نہ ہو

آسی کی شاعری کا ایک خاص حسن شاعری کا فن ہے۔آسی نے تمام فنی لوازمات کو اپنی شاعری میں اس طرح برتا ہے کہ دبستان لکھنؤ سے وابستہ ہونے کے باوجود آسی دبستان لکھنؤ دہلی کے قریب معلوم پڑتے ہیں اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کے دبستان لکھنؤ کے شاعروں نے اپنی شاعری میں فنی لوازمات کو صحیح سے نہیں برتا ہے۔ بلکہ حاصل یہ ہے آسی نے شاعری کو بامقصد بنانے کی کوشش کی ہے۔غم ایک ایسا موضوع ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی اور غم صحیح معنوں میں زندگی کا وہ نایاب تحفہ ہے جو ہمیں زندگی برتنے کا سہی سلیقہ بتاتا ہے آسی کی پوری شاعری درد وغم کا ترجمان ہے مگر ہاں موصوف کے یہاں ہمیں اور شاعروں کی طرح غم سے گھبراہٹ نہیں ملتی بلکہ حوصلہ ملتا ہے۔آپ کی شاعری پڑھنے والا یہ ضرور محسوس کرتا ہے کہ انسان جتنا شکستہ تر ہوگا اتنا ہی وہ بارگاہ ایزدی میں عزیز تر ہوگا۔مثال کے طور پر کچھ اشعار دیکھیں:

ان کی گل میں جا کر سوت آنسوؤں کے پھوٹے
یہ پھوٹ پھوٹ کر میں زیر مزار رویا

ہمدرد کی مصیبت دیتی ہے کیا اذیت
بلبل نے نالے کھینچے میں زار زار رویا

آسی نامراد پر ہے وہی جلوہ جس سے ہے
مطلع آفتاب حشر ذرہ مرے غبار کا

رو کے آسی پوچھتا تھا کب قیامت آئے گی
کس طرح کہئے کہ وہ تیرا تمنائی نہ تھا

کیا دوا لکھتے ہو، صحت جو مری چاہتے ہو
سنبل زلف گرہ گیر طبیبوں لکھ دو

آسی کی شاعری ہمیں حوصلہ دیتی ہے، آسی کے بیشتر اشعار تغزل میں ڈوبے ہوئے ہیں جنہیں گایا جاسکتا ہے۔ آسی خود ایک صوفی ہیں اس لئے تصوف سے آپ کو خاص شغف ہے۔ آسی عشق مجازی اور عشق حقیقی میں فرق نہیں کرتے بلکہ ان کے یہاں خدا تک پہنچنے کے ایک نہیں بہت سارے راستے ہیں۔ آپ کے پورے کلام میں تصوف کی چاشنی محسوس کی جاسکتی ہے ایک جگہ محمد علی جوہر لکھتے ہیں:

''سفر میں رات کے طول طویل گھنٹے درود وسلام کی تسبیحیں پڑھتے پڑھتے گزار دئے اور آسی غازی پوری کا یہ شعر سارے سفر میں برابر ورد زبان رہا۔''

وہاں پہنچ کر یہ کہنا صبا سلام کے بعد
تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

(عین المعارف، ص۔34)

غزلوں کے بارے میں برابر یہ کہا جاتا رہا کہ اس کا ہر ایک شعر اکائی ہوتی ہے۔ غزل میں تسلسل کی بھی شکایت کی جاتی رہی ہے۔ اسی تسلسل کی وجہ کر کلیم الدین جیسا قابل ناقد بھی غزل کو نیم وحشی صنف شاعری کہہ جاتا ہے، کچھ حد تک تو یہ درست ہے مگر آسی کی تمام غزلیں مسلسل ایک کیفیت میں کہی ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم ذیل میں ایک غزل کے مطلع اور مقطع کو پیش کرتے ہیں۔ طوالت کہ بنا پر ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں ورنہ پوری غزل پیش کی جاسکتی تھی، تو دیکھئے:

مطلع

پسند آیا تو لے لو دل ہمارا
مگر دل پھر بھی کسی قابل ہمارا

مقطع

وہ کاش اتنا قیامت میں تو پوچھیں
کہاں ہے آسیؔ بے دل ہمارا

تسلسل قابل غور ہے۔ اخیر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبدالعلیم آسیؔ اُردو شاعری کا ایک تابندہ ستارہ ہے، آسیؔ نے نہ صرف شاعری کو برتا بلکہ شاعری کو ایک فکر سے بھی آشنا کیا ہے۔ ہمیں اُمید ہے آنے والی نسلیں ان کی شاعری کو پڑھیں گی اور اب تک کسی خاص وجہ کر جو انہیں بے توجہی شکار بنایا گیا۔ اس کا کفارہ ادا کریں گی۔ بقول حفیظ بنارسیؔ:

کوئی مہرباں نہیں ملا، کوئی قدر داں نہیں ملا
مری فکر وفن کے گہر کو بھی کسی جوہری کی تلاش ہے

☆☆☆